TAHREER
Journal of Languages & Literature
eISSN:3007-2085
pISSN:3007-2077
تحریر
Vol. 4 No. 3 (2026) HEC-approved in the Y category

Forms of Female Exploitation in Kishwar Naheed's Columns

کشور ناہید کے کالموں میں نسائی استحصال کی صورتیں

Nuzhat Parveen[1], Dr Tahira Iqbal[2]
[1]Ph.D. Scholar, [2]Professor, Department of Urdu, Riphah International University, Faisalabad
***Corresponding Email:** anaetanoor@gmail.com
DOI: https://doi.org/10.65827/tahreer.v4i3.87

Abstract
The exploitation of women emerges as a significant social, cultural, and human issue in Kishwar Naheed's columns. She not only highlights the various forms of violence, discrimination, and deprivation faced by women but also critically examines the social, cultural, and psychological attitudes that contribute to their oppression. In her view, the marginalisation of women is not merely an individual concern; rather, it reflects broader patterns of inequality and injustice embedded within society. Naheed particularly addresses physical, psychological, emotional, and domestic violence, acid attacks, burning of women, sexual exploitation, forced labour, denial of education, and discriminatory customary practices as major forms of female exploitation. She also questions the attitudes that regard the birth of daughters as a cause of disappointment and restrict women's right to express their opinions and participate in family and social decision-making. Her writings further highlight the gap between the Islamic principles of justice, equality, and human dignity and the discriminatory practices prevalent in society. Through her columns, Kishwar Naheed exposes the causes and consequences of violence against women and emphasises the need for collective awareness, effective legal protection, social reform, and respect for human dignity. This article analytically examines the various forms of female exploitation represented in Kishwar Naheed's columns and demonstrates that her column writing serves as a powerful feminist voice advocating women's rights, dignity, freedom, and equal status in society.

Keywords:
Kishwar Naheed, Column Writing, Domestic Violence, Gender Discrimination, Women's Rights, Social Injustice, Feminism

Received: 31-07-2026 **Revision:** 07-09-2026 **Online:** 23-10-2026
Accepted: 05-10-2026

This article is licensed under the Creative Commons Attribution (CC BY 4.0). Free use, distribution, and reproduction are permitted with proper citation of the original work.
© The Author(s).

کشور ناہید کے کالموں میں عورتوں کا استحصال ایک نہایت اہم اور مرکزی موضوع کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وہ اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتی ہیں کہ پاکستان میں خواتین آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں، مگر اس کے باوجود انہیں معاشرتی، معاشی اور سیاسی سطح پر وہ مقام حاصل نہیں ہو سکا جس کی وہ حق دار ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کی محرومی محض انفرادی مسئلہ نہیں بلکہ ایک گہرا سماجی مسئلہ ہے جس کے اثرات پورے معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ اسلام، جو عدل، مساوات اور احترامِ انسانیت کا درس دیتا ہے، عورت کو زندگی کے مختلف شعبوں میں واضح حقوق فراہم کرتا ہے۔ تاہم کشور ناہید اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ہمارے معاشرے میں اکثر مرد اپنے حقوق سے تو بخوبی آگاہ ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی کا تقاضا بھی کرتے ہیں، لیکن عورتوں کے حقوق کے بارے میں یا تو مناسب آگاہی نہیں رکھتے یا ان کی اہمیت کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات صورتِ حال یہ بھی ہوتی ہے کہ حقوق و فرائض کے بارے میں علم ہونے کے باوجود عملی سطح پر ان اصولوں کی پاسداری نہیں کی جاتی۔ چنانچہ عورت کو مذہبی اور سماجی دونوں حوالوں سے وہ مقام نہیں مل پاتا جو اسلام نے اس کے لیے متعین کیا ہے۔

کشور ناہید اپنے کالموں میں اس تلخ حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ہمارے معاشرے میں بہت سی خواتین مختلف نوعیت کے تشدد کا سامنا کرتی ہیں۔ یہ تشدد صرف جسمانی حد تک محدود نہیں بلکہ ذہنی، نفسیاتی اور جذباتی سطح پر بھی ان کی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ جسمانی تشدد کی صورتوں میں مار پیٹ، جسمانی اذیت، تیزاب گردی اور گھریلو تشدد کے دیگر سنگین واقعات شامل ہیں۔ بعض خواتین کو اس قدر سفاکانہ رویّوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ ان کی جان تک خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

کشور ناہید خاص طور پر ان واقعات کی طرف توجہ دلاتی ہیں جن میں خواتین جلنے کے حادثات یا مشتبہ حالات میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ ان کے نزدیک ایسے واقعات کی کثرت اس بات کا ثبوت ہے کہ عورتوں کے تحفظ کے لیے موجود اقدامات ناکافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ متاثرہ خواتین کے علاج اور بحالی کے لیے قائم برن یونٹس اور دیگر طبّی سہولیات کو ضرورت کے مقابلے میں ناکافی قرار دیتی ہیں اور اس مسئلے کی سنگینی کو اجاگر کرتی ہیں۔ ان کی تحریروں سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ خواتین کے خلاف تشدد محض ایک انفرادی سانحہ نہیں بلکہ ایک سنجیدہ سماجی مسئلہ ہے جس کے حل کے لیے مؤثر قانونی، طبّی اور سماجی اقدامات ناگزیر ہیں۔ اس ضمن میں وہ لکھتی ہیں:

> ''تمام ہسپتالوں میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ ہر اسپتال میں ''برن یونٹ'' ہے مگر ایک یا دو بیڈ مختص ہیں جبکہ ہمارے ملک میں جلنے والی عورتوں کی روزانہ تعداد ڈبل ہندسوں میں پہنچتی ہے اور حکومت ان کے لئے بہت کچھ کرنے کا دعویٰ بھی کرتی ہے مگر موجودہ صورتحال تشویش ناک ہے۔''(۱)

خواتین کے خلاف گھریلو تشدد کے اسباب متعدد اور پیچیدہ نوعیت کے ہیں، جن کا تعلق خاندانی، سماجی اور ثقافتی رویّوں سے جڑا ہوا ہے۔ بعض اوقات گھریلو تنازعات، خصوصاً ساس اور بہو کے درمیان اختلافات، صورتِ حال کو مزید سنگین بنا دیتے ہیں۔ ایسے مواقع پر بعض

خاندانوں میں شوہر کو بیوی کے خلاف اُکسایا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں عورت کو بلاجواز سخت رویّوں، بدزبانی یا جسمانی تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس تناظر میں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ بعض اوقات عورت ہی مختلف سماجی کرداروں، مثلاً ساس یا نند کی صورت میں، دوسری عورت کے لیے مشکلات کا باعث بن جاتی ہے۔اسی طرح شوہر کی مرضی کے بغیر والدین یا رشتہ داروں سے ملاقات کرنا، بعض معاملات میں اپنی رائے کا اظہار کرنا یا کسی غیر مناسب مطالبے سے اختلاف کرنا بھی بعض مردوں کے نزدیک تنازع کا سبب بن جاتا ہے۔ چنانچہ معمولی نوعیت کے اختلافات کو جواز بنا کر عورت پر دباؤ ڈالا جاتا ہے یا اسے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ کشور ناہید ایسے رویّوں کو معاشرتی ناانصافی کی علامت قرار دیتی ہیں اور اس امر پر زور دیتی ہیں کہ عورت کے ساتھ احترام، مساوات اور انسانی وقار کے مطابق سلوک کیا جانا چاہیے۔

بعض معاشرتی رویّوں کے باعث ایسی خواتین بھی ظلم اور امتیازی سلوک کا شکار ہو جاتی ہیں جو بیٹیوں کو جنم دیتی ہیں۔ ہمارے معاشرے کے بعض طبقات میں آج بھی بیٹی کی پیدائش کو خوشی کے بجائے مایوسی یا بدقسمتی سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے، حالانکہ یہ تصور نہ مذہبی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے اور نہ ہی سائنسی حقائق سے۔اسلامی تعلیمات میں بیٹی کو رحمت اور باعثِ برکت قرار دیا گیا ہے۔

کشور ناہید اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ خواتین پر ہونے والا تشدد صرف جسمانی نوعیت کا نہیں ہوتا بلکہ ذہنی اور نفسیاتی اذیت بھی استحصال کی ایک سنگین شکل ہے۔ عورت کو اپنی مرضی سے فیصلے کرنے کے حق سے محروم رکھنا، مسلسل طعنے دینا، تحقیر آمیز رویّہ اختیار کرنا اور گالی گلوچ کے ذریعے اس کی عزتِ نفس مجروح کرنا ایسے عوامل ہیں جو اسے شدید ذہنی دباؤ اور نفسیاتی مسائل میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ بعض اوقات یہ نفسیاتی تشدد اتنا گہرا ہوتا ہے کہ عورت مستقل ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ خواتین کے استحصال کی دیگر صورتیں بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، جن میں جبری مشقت، کوکھ کے استحصال، جنسی تشدد، تعلیم سے محرومی اور بعض علاقوں میں رائج غیر انسانی رسم و رواج شامل ہیں۔ کشور ناہید اپنے کالموں میں ان تلخ حقائق کو بے باکی سے بیان کرتی ہیں اور اس امر پر توجہ دلاتی ہیں کہ عورت کے خلاف یہ رویّے محض انفرادی ظلم نہیں بلکہ ایک گہرا سماجی مسئلہ ہیں، جن کے خاتمے کے لیے اجتماعی شعور اور مؤثر اقدامات ناگزیر ہیں۔ وہ اپنے ایک کالم میں اس صورتِ حال کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ :

> ''مبارک ہو کہ جن لوگوں نے نصیر آباد میں عورتوں کو زندہ درگور کرنے کو اپنے علاقے کی روایت بتایا تھا۔ وہ قابل تعریف ہو گئے اور حکومت میں شامل ہیں۔''(۲)

اگر کوئی عورت کسی غلطی یا جرم کی مرتکب بھی ہو جائے تو بھی کسی فرد یا گروہ کو یہ حق حاصل نہیں ہو جاتا کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی جان، عزت یا بنیادی انسانی حقوق سلب کر دے۔ کسی بھی مہذب معاشرے اور منصفانہ قانونی نظام میں سزا دینے کا اختیار صرف ریاست اور عدالت کو حاصل ہوتا ہے، نہ کہ افراد یا قبائلی رسم و رواج کو۔اس لیے عورتوں کے خلاف ایسی غیر انسانی روایات، جن میں انہیں زندہ دفن کرنا، سرِعام ذلیل کرنا یا تشدد کا نشانہ بنانا شامل ہو، انسانی اقدار اور بنیادی حقوق کے سراسر منافی ہیں۔

کشور ناہید اپنے کالموں میں ایسے رویّوں پر شدید تنقید کرتی ہیں اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اسلام عدل، رحمت اور انسانی وقار کا مذہب ہے، جسے بعض لوگ اپنی مرضی کی تشریحات اور فرسودہ رسم و رواج کے ذریعے مسخ کر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت پر ظلم، تشدد اور تذلیل کو مذہب کے نام پر جائز قرار دینا نہ صرف اسلامی تعلیمات کی روح کے خلاف ہے بلکہ انسانی شرافت اور انصاف کے اصولوں سے بھی متصادم ہے۔ وہ اس سوال کو اٹھاتی ہیں کہ آخر کس منطق اور کس اخلاقی جواز کے تحت عورت کو تشدد، تحقیر اور غیر قانونی سزاؤں کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جبکہ مذہب اور قانون دونوں انسان کے وقار اور تحفظ کی ضمانت دیتے ہیں۔

> ''لندن میں مناواں کے حادثے پر افسوس کرنے والے کچھ کم نہ تھے کہ سوات میں لڑکی کو کوڑے مارنے کے المناک حادثے میں تو پورے انگلینڈ کو ہلا کر رکھ دیا۔ حتیٰ کہ دکانوں پہ یہ جان کر آپ پاکستانی ہیں، لوگ فوراً کہتے ہیں آپ لوگ تو بڑے ظالم ہیں لڑکیوں کو اتنی بے دردی سے کوڑے مارتے ہیں اور وہ بھی سڑک پر لٹا کر۔''(۳)

عورتوں کے خلاف ہونے والے بہت سے مظالم کو مقامی رسم و رواج یا روایات کا حصہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ کشور ناہید اس رویّے کو شدید تنقید کا نشانہ بناتی ہیں اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں رائج بعض قبائلی، جاگیردارانہ اور وڈیرہ شاہی نظام آج بھی عورتوں کی آزادی اور بنیادی حقوق کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ جنوبی پنجاب، بلوچستان، سندھ اور بعض دیگر علاقوں میں طاقت کے یہ غیر رسمی ڈھانچے کئی مواقع پر قانون اور انصاف سے بالاتر ہو کر فیصلے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ان کے نزدیک ایسے فرسودہ نظام عورتوں کے خلاف تشدد اور استحصال کو دوام بخشتے ہیں۔ چنانچہ غیرت کے نام پر قتل، تیزاب گردی، جبری سزائیں، جہیز کے تنازعات میں تشدد، تعلیم سے محرومی اور عورتوں کی تذلیل جیسے واقعات مختلف شکلوں میں سامنے آتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات محض شک یا الزام کی بنیاد پر خواتین کو سنگین نتائج بھگتنا پڑتے ہیں، جبکہ ان مظالم کو مقامی روایت یا سماجی رواج کا نام دے کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کشور ناہید کے نزدیک یہ طرزِ عمل نہ صرف انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے بلکہ قانون، انصاف اور مذہب کی حقیقی روح کے بھی منافی ہے۔ وہ اس امر پر زور دیتی ہیں کہ کسی بھی روایت یا رسم کو انسانی وقار، عدل اور بنیادی حقوق سے بالاتر نہیں سمجھا جا سکتا، اور عورتوں کے خلاف ہونے والے ایسے جرائم کو معاشرتی روایت کے پردے میں چھپانے کے بجائے ان کا مؤثر تدارک کیا جانا چاہیے۔

> ''بلوچستان میں سات عورتوں کو زندہ درگور کر دیا گیا۔ اور اس سانحے کو بلوچی رہنماؤں نے اس علاقے کی روایت کہہ کر ٹال دیا۔''(۴)

پاکستانی معاشرے میں خواتین کے استحصال کی ایک اہم صورت کم عمری کی شادی بھی ہے، جو مختلف علاقوں میں آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ ماضی میں یہ روایت زیادہ عام تھی کہ لڑکیوں کی شادی بلوغت سے پہلے یا بہت کم عمر میں کر دی جاتی تھی، اور بعض اوقات انہیں ایسی ازدواجی زندگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا جس کے لیے وہ ذہنی اور جسمانی طور پر تیار نہیں ہوتیں۔ والدین عموماً اسے اپنی سماجی ذمہ

داری کی تکمیل سمجھتے ہیں، لیکن اکثر اس بات پر غور نہیں کیا جاتا کہ کم سن بچی پر اس فیصلے کے نفسیاتی، تعلیمی اور سماجی اثرات کس قدر گہرے ہو سکتے ہیں۔

کم عمری میں شادی نہ صرف بچیوں کی تعلیم اور ذاتی نشوونما کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے بلکہ کم عمر ماں بننے کا تجربہ ان کی جسمانی صحت کے لیے بھی خطرات پیدا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف سماجی مصلحین اور قومی رہنماؤں نے اس رجحان کی حوصلہ شکنی کی۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی کم سنی کی شادی کے مخالف تھے اور اسے معاشرتی ترقی کی راہ میں ایک رکاوٹ سمجھتے تھے۔ کشور ناہید بھی اس مسئلے کو عورتوں کے حقوق اور فلاح کے تناظر میں دیکھتی ہیں اور اپنی تحریروں میں اس پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ :

> ''قائدِ اعظم نے کم سنی کی شادی کے خلاف ۱۹۲۹ء میں بیان دیا تھا اور علماء کی مخالفت کی پرواہ نہیں کی تھی۔ آج ۸۰ سال کے بعد بھی سڑکوں پر بینرز لگے ہیں کہ کم سنی کی شادی غیر قانونی ہے کوئی تو نہیں جو اس موضوع پر بولے۔''(۵)

موجودہ دور میں جن سنگین جرائم نے معاشرتی زندگی کو شدید متاثر کیا ہے، ان میں قتل، اقدامِ قتل، ڈکیتی اور جنسی تشدد نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان جرائم میں زنا بالجبر ایک ایسا المیہ ہے جو نہ صرف تعداد کے اعتبار سے تشویش ناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے بلکہ اس کے سماجی اور نفسیاتی اثرات بھی نہایت گہرے ہیں۔ اگرچہ خواتین کے خلاف یہ ظلم کوئی نیا واقعہ نہیں، تاہم ماضی کے برعکس آج عورت اس استحصال کے خلاف زیادہ شعور اور آگاہی رکھتی ہے اور اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے کی صلاحیت بھی حاصل کر رہی ہے۔

کشور ناہید عورتوں کے استحصال کو صرف بڑے اور ہولناک جرائم تک محدود نہیں سمجھتیں بلکہ وہ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے ان رویّوں کو بھی عورت کے خلاف تشدد اور ہراسگی کی ایک شکل قرار دیتی ہیں جو بظاہر معمولی دکھائی دیتے ہیں لیکن عورت کی عزتِ نفس، ذہنی سکون اور احساسِ تحفظ کو بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کام کی جگہوں، بازاروں، عوامی ٹرانسپورٹ اور دیگر عوامی مقامات پر خواتین کو جن نامناسب رویّوں، فقرہ بازی، جسمانی قربت کی دانستہ کوششوں اور مختلف نوعیت کی ہراسگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ دراصل ایک ایسے سماجی رویّے کی عکاسی کرتے ہیں جس میں عورت کو ایک مکمل انسان کے بجائے کم تر وجود سمجھا جاتا ہے۔ وہ اس بات پر سوال اٹھاتی ہیں کہ اگر خواتین کے تحفظ کے قوانین واقعی مؤثر ہیں تو پھر روزمرہ زندگی میں رونما ہونے والی ان بے شمار صورتوں کا سدباب کیسے ممکن بنایا جائے گا۔ اسی تناظر میں وہ لکھتی ہیں:

> ''زمانہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ دفتروں میں چھوٹی موٹی ملازمتیں کرنے والی لڑکیوں کو کیسے ایک کھانا کھلانے کے لیے جھانسے میں کیا کیا زیادتیاں نہیں ہو جاتی ہیں۔ زمانہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ بس میں کھڑی لڑکی کے ساتھ جان بوجھ کر جھٹکا مار کر گرنے اور پھر معذرت کرنے والوں کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ اس طرح ڈرائیور فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے والی خواتین کی جانب جھک کر گیر بدلنے کے انداز میں اتنے بل لیتا ہے کہ عورتیں سمٹ مٹ کر ڈھیر ہو جاتی ہیں۔ بس اسٹاپ پہ کھڑی خاتون کے گرد گانا گاتے

ہوئے نوجوان بہت دفعہ پٹائی کھا کر بھی بدمزہ نہیں ہوتے ہیں۔اس طرح اور تمام لوگ کیسے اس قانون کی زد میں آئیں گے؟''(۶)

ماضی میں ایسے واقعات اکثر سماجی دباؤ، خاندانی بدنامی کے خوف یا قانونی پیچیدگیوں کے باعث منظرِ عام پر نہیں آتے تھے اور خاموشی سے دبادیے جاتے تھے، لیکن اب حالات کسی حد تک تبدیل ہو رہے ہیں۔خواتین اور انسانی حقوق کے کارکنان اس مسئلے کو کھل کر زیرِ بحث لا رہے ہیں اور انصاف کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔کشور ناہید بھی اپنے کالموں میں اس حساس اور اہم مسئلے کی طرف توجہ دلاتی ہیں اور زنا بالجبر کی حقیقت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ :

''یوں تو عمومی زبان میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ جنسی عمل جس میں مرد تیار اور راضی رغبت کے ساتھ ہو مگر عورت راضی نہ ہو، اسے زنا بالجبر کہتے ہیں۔''(۷)

پاکستانی معاشرے میں خواتین کو طویل عرصے سے مختلف نوعیت کے استحصال کا سامنا رہا ہے۔یہ استحصال کبھی ذہنی اور نفسیاتی دباؤ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی جسمانی تشدد، جنسی زیادتی یا دیگر غیر انسانی رویّوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ایسے مظالم عورت کی شخصیت، اعتماد اور مجموعی زندگی پر گہرے اور دیرپا اثرات مرتب کرتے ہیں۔گھریلو تشدد، خواتین کو جلائے جانے کے واقعات، اجتماعی و انفرادی جنسی زیادتیاں اور سرکاری و نجی اداروں میں کام کرنے والی خواتین کو درپیش ہراسانی جیسے مسائل آج بھی معاشرتی توجہ اور مؤثر اقدامات کے متقاضی ہیں۔اس ضمن میں کشور ناہید لکھتی ہیں:

''عیسائی مذہب میں بھی ایسی وارداتیں پچھلی صدی میں اتنی عام تھیں کہ ان پر ناول بھی لکھے گئے۔پادریوں اور خواتین ننوں کے قصے بھی عام ہونے لگے تو بیسویں صدی میں پوپ نے اجازت دی کہ جو پادری شادی کرنا چاہیں انہیں اجازت ہے۔جنسیت کی وحشت یوں تو سارے ممالک میں ہے مگر بھارت، پاکستان میں تو ٹیکسی میں بیٹھی عورت بھی اب محفوظ نہیں رہی ہے۔یہی سبب ہے کہ دیہات میں اکثر لڑکی کی عصمت بچانے کے لئے جلدی شادی کر دی جاتی ہے مگر اس کے اچھے نتائج تو نہیں نکلتے ہیں۔مرد کے ہاتھ میں دوسری شادی کا اجازت نامہ پکڑا کر وہ ایک اور گھر بسالیتا ہے۔''(۸)

کشور ناہید اس بات پر زور دیتی ہیں کہ ان سنگین جرائم کی روک تھام کے لیے محض سماجی شعور کافی نہیں بلکہ مضبوط قانونی نظام اور مؤثر قانون سازی بھی ناگزیر ہے۔ان کے نزدیک خواتین کے تحفظ سے متعلق قوانین نہ صرف متاثرہ خواتین کو انصاف فراہم کر سکتے ہیں بلکہ ایسے جرائم کی حوصلہ شکنی میں بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔اسی لیے وہ عورتوں کے حقوق اور عزت و وقار کے تحفظ کے لیے ریاستی سطح پر کیے جانے والے اقدامات کو اہمیت دیتی ہیں۔اپنے کالم ''ناموس کے لیے قانون'' میں وہ حکومت کی جانب سے خواتین کے تحفظ کے لیے کی جانے والی کوششوں کو ایک مثبت پیش رفت قرار دیتے ہوئے امید افزا انداز میں دیکھتی ہیں۔

''خواتین کے ساتھ زیادتی کرنے، ان کو ہراساں کرنے اور جسمانی و ذہنی اذیت دینے سے متعلق متفقہ قرارداد کے ذریعہ

منظور کر لیا گیا ہے۔ ہر چند ابھی ایک اور بل پڑا ہے جس کے ذریعے عورتوں کو سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے پر بھی سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔"(۹)

کشور ناہید کو اس قانون سے یہ توقع تھی کہ اس کے نفاذ کے بعد خواتین کے آئینی اور قانونی حقوق کے تحفظ کی راہ ہموار ہو گی اور انہیں معاشرتی ناانصافیوں سے نجات مل سکے گی۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ یہ امیدیں پوری نہ ہو سکیں اور عملی صورتِ حال میں وہ تبدیلی رونما نہ ہوئی جس کی توقع کی جا رہی تھی۔ یوں خواتین کے حقوق سے وابستہ یہ خوش آئند امکان حقیقت کا روپ دھارنے کے بجائے ایک ادھورا خواب ثابت ہوا۔

"عورتوں پر تشدد کے خلاف آرڈیننس پاس کیا گیا اور اس کو اسمبلی میں پیش کرنے کی شنید ہوئی کہ باقاعدہ قانون بن جائے۔ عورتیں بھلا کہاں اتنی توجہ کے لائق، تین ماہ گزر گئے اور وہ آرڈیننس شنوائی نہ ہونے کے باعث منہدم ہو گیا۔"(۱۰)

اس آرڈیننس کا مؤثر نتائج پیدا نہ کر سکنا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اقتدار کے ایوانوں میں خواتین کے مسائل کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ یہی سبب ہے کہ کشور ناہید خواتین کے حقوق کے تحفظ کے لیے کی جانے والی قانون سازی اور اس حوالے سے جاری ہونے والی سرکاری رپورٹس کو کافی نہیں سمجھتیں۔ ان کے نزدیک اگرچہ ایسے قوانین کا وجود ایک مثبت پیش رفت ہے، لیکن عملی سطح پر یہ خواتین کے استحصال کی روک تھام اور ان کے مؤثر تحفظ کو یقینی بنانے میں مطلوبہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔

ان واقعات کے پس منظر میں ایک بڑی وجہ قوانین پر مؤثر عملدرآمد کا فقدان ہے۔ جب قانونی ادارے بروقت اور مؤثر کردار ادا نہیں کرتے تو ظلم اور ناانصافی کے واقعات میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ صورتِ حال اس امر کی بھی عکاسی کرتی ہے کہ خواتین کو درپیش مسائل کو اکثر مطلوبہ سنجیدگی سے نہیں لیا جاتا اور ان کے حقوق، تحفظ اور فلاح و بہبود کے معاملات پالیسی سازی میں وہ توجہ حاصل نہیں کر پاتے جس کے وہ مستحق ہیں۔ ایسے حالات میں یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہتا ہے کہ خواتین کے حقوق کے تحفظ اور ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے ازالے کی ذمہ داری عملاً کون ادا کرے گا۔

اگر خواتین کے خلاف تشدد، استحصال اور دیگر سنگین جرائم کا مؤثر سدباب مقصود ہے تو ضروری ہے کہ حکومت موجودہ قوانین کا ازسرِنو جائزہ لے، جہاں ضرورت ہو وہاں اصلاحات متعارف کروائے اور ان پر بلاامتیاز اور سختی سے عملدرآمد کو یقینی بنائے۔ تاہم مسئلے کا حل صرف قانونی اقدامات تک محدود نہیں، بلکہ معاشرتی سطح پر شعور بیدار کرنے اور صنفی تعصبات پر مبنی رویّوں میں تبدیلی لانے کی بھی ضرورت ہے۔ جب تک خواتین کو ایک مکمل اور بااختیار شہری کے طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک حقیقی مساوات اور سماجی انصاف کا حصول ممکن نہیں۔ چنانچہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ناگزیر ہے جہاں عورت اپنی شناخت، عزت اور حقوق کے ساتھ باوقار زندگی گزار سکے۔

حوالہ جات

۱. کشور ناہید: ''ورق ورق آئینہ'' سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۴۵

۲. کشور ناہید: کالم، ''صد حیف ان مبارکبادیوں پر''، روزنامہ جنگ، ۳۰ جنوری ۲۰۰۹ء

۳. کشور ناہید: کالم ''پاکستانی کھانے، انڈین میوزک''، روزنامہ جنگ ۱۲ اپریل ۲۰۰۹ء

۴. کشور ناہید: کالم، ''قانون تو پاس ہو گیا۔ اب کیا ہو گا''، روزنامہ جنگ، ۲۸ جنوری ۲۰۱۰ء

۵. کشور ناہید: کالم، ''ہائے اس زور پشیماں کا پشیماں ہونا''، روزنامہ جنگ، ۱۱ دسمبر ۲۰۰۹ء

۶. کشور ناہید: ''گمشدہ یادوں کی واپسی'' سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۵ء ص ۱۴۵

۷. کشور ناہید: ''عورت: خواب اور خاک کے درمیان'' سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۵۵

۸. کشور ناہید: ''بند دروازوں کی چیخیں'' سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء ص ۱۴۔۱۵

۹. کشور ناہید: کالم، ''ناموس کیلئے قانون''، روزنامہ جنگ ۸ نومبر ۲۰۰۹ء

۱۰. کشور ناہید: کالم، ''۲۰۰۹، قاتلانہ سال تھا''، روزنامہ جنگ، ۱ جنوری ۲۰۱۰ء

References

1. Nāhīd, Kishwar. *Waraq Waraq Āʾīnah*. Lahore: Sang-e Mīl Publications, 2006, p. 45.
2. Nāhīd, Kishwar. "Ṣad Ḥayf In Mubārakbādiyoṅ Par." *Roznāmah Jang*, 30 January 2009.
3. Nāhīd, Kishwar. "Pākistānī Khānay, Inḍian Mūzik." *Roznāmah Jang*, 12 April 2009.
4. Nāhīd, Kishwar. "Qānūn To Pās Ho Gayā, Ab Kyā Ho Gā." *Roznāmah Jang*, 28 January 2010.
5. Nāhīd, Kishwar. "Hāʾe Is Zor-e Pashīmān Kā Pashīmān Honā." *Roznāmah Jang*, 11 December 2009.
6. Nāhīd, Kishwar. *Gumshudah Yādoṅ Kī Wāpasī*. Lahore: Sang-e Mīl Publications, 2015, p. 145.
7. Nāhīd, Kishwar. *ʿAurat: Khwāb Aur Khāk Ke Darmiyān*. Lahore: Sang-e Mīl Publications, 1995, p. 55.
8. Nāhīd, Kishwar. *Band Darwāzoṅ Kī Chīkheṅ*. Lahore: Sang-e Mīl Publications, 2021, pp. 14–15.
9. Nāhīd, Kishwar. "Nāmūs Ke Liye Qānūn." *Roznāmah Jang*, 8 November 2009.
10. Nāhīd, Kishwar. "2009, Qātilānah Sāl Thā." *Roznāmah Jang*, 1 January 2010.